اُردو ادب اور ماحولیات: آفتاب اقبال شمیم کی نظموں کا ماحولیاتی تنقیدی مطالعہ

Literature and Environment: An Eco-critical study of Aftab Iqbal Shamim Poems

محمد بشارت
سینئر لیکچرار، او پی ایف بوائز کالج، اسلام آباد
ڈاکٹر نعیم مظہر
ایسو سی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Muhammad Basharat
Senior Lecturer, OPF Boys College, Islamabad
Dr. Naeem Mazhar
Associate Professor, Department of Urdu NUML University of Modern Languages, Islamabad

Abstract:

Guided by the underpinning of Eco-criticism, the study investigates various poems of the Aftab Iqbal Shamim and traces how the poet incorporate the features of Eco-criticism.

Being influential figures of society, literati, poets and academic researchers bring into their creative ambit the conditions affecting their surroundings. However, it is surprising that Eco-criticism has not been a popular investigative field in Urdu literature in general and poetry in particular. The current study traces the important aspects of Eco-criticism-Biocentrism, Bio-community. The study finds that poetry has keenly brought into limelight the core issues of Eco-criticism. It analyses the poems both philosophically and critically. The primary sources are the original poems of the poet, secondary sources obtained from different libraries, books, magazines and the internet. The critical investigation reveals that the poet, through their poetry, not only introduce various dimensions of Eco-criticism, but also extend its scope through different environmental and societal perspectives.

Keywords:

Eco-criticism, Bio-community, popular investigative, original poems, environmental

ماحولیاتی تنقید نے اپنے آغاز سے پچیس تیس برس کی اندر ہی اُردو اَدب میں اپنا سکہ جما کر اپنے وجود کو مستحکم کر لیا ہے۔ اُردو ناول، افسانہ، نظم اور غزل میں اب اس تنقیدی تھیوری کو انتقادی نگاہ سے برتا جا رہا ہے۔ تاہم اُردو نظمیہ شاعری میں اس مطالعہ کا اطلاق ابھی تک تشنگی کا شکار ہے۔ اُردو نظمیہ شاعری میں ساٹھ کی دہائی اور مابعد کے پاکستانی اُردو شعرا کے کلام کو پرکھا جائے تو خال خال نام ہی دکھائی دیتے ہیں جو اس تنقیدی دبستان کے معیار پر پورے اترتے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں اور اُن میں ایک بڑا نام آفتاب اقبال شمیم کا ہے۔

آفتاب اقبال شمیم نے جب شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو ترقی پسند تحریک اپنے وجودی اختتام کی طرف محو سفر تھی۔ نئی نظم کی بنیاد ن م راشد، میر اجی، مجید امجد و دیگر رکھ چکے تھے۔ حلقہ ارباب ذوق کا قیام نئی نظمیہ جہتوں کے لیے میدانِ عمل بن کر ابھر چکا تھا۔ ان واقعات کے دوران آفتاب اقبال شمیم کی نظم نگاری خارجی اور داخلی اقدار کا امتزاج اور فن کی پختہ کاری کا انقلابی احساس ہے۔ ابہام سے ماورا اور قطعیت کے اصول پر مبنی نظمیں ماحولیاتی تنقید کی نمائندہ نظمیں قرار دی جاسکتی ہیں کیوں کہ ان کے ہاں ماحولیاتی تنقید کے تمام بڑے موضوعات اور مباحث بکثرت ملتے ہیں۔ جن کی بناپر ماحولیاتی تنقید کی عمارت استوار ہوئی ہے۔ حیات مرکزیت، حیاتیاتی معاشرہ، بن نگاری، مظاہر پسندی، ماحولیاتی تانیثیت، راعیانیت، مقاماتی ادب کے تمام پہلو ان کی نظموں میں جابجا موتیوں کی طرح بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے ایک انٹرویو میں جو روزنامہ ایکسپریس میں شائع ہوا وہ خود رطب اللسان ہیں:

> ”میرے اندر ایک انر کمپلشن (Inner Compulsion) تھی کہ میں لکھتا رہوں۔ سوچے سمجھے بغیر کہ تبدیلی آئے گی۔ میرے خیال میں تبدیلی لانا ایک انقلابی کا آئیڈیل ہو سکتا ہے یا ایک ریفارمسٹ کا لیکن شاعر تو اپنے شعور اور لاشعور سے جڑا ہوتا ہے“۱

آفتاب اقبال شمیم کا یہی شعور اور لاشعور ان کی نظموں میں ماحولیاتی تنقید کے حوالے سے منظر عام پر آتا دِکھائی دیتا ہے۔ ماحولیاتی تنقید کا دائرہ کار فطرت، ماحول اور ادب کے درمیان کے باہمی رشتوں کو تلاشنا اور ان کے مابین باہمی تعلق کو استوار اور متعین کرتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک جدید تنقیدی مطالعہ ہے جو علمِ ماحولیات (Ecology) کے زیر اثر ہونے کے باعث ماحول یعنی Environment کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ ماحولیاتی تنقید کے زمرے میں انوائرمنٹ انسان کا تخلیق کردہ ماحول کے مرادی معنی دیتا ہے۔ جو وہ فطرت کو اپنے تصرفات اور استعمالات کے تحت خود تخلیق کرتا ہے۔ جبکہ علم ماحولیات کے زیر اثر ماحول یعنی Eco سے مراد فطرت، مظاہرِ فطرت، ماحول اور موجوداتِ ماحول کا بالکل فطری حالت میں بعینہ ظہور، وجود، ارتقا اور انسانی عمل دخل کے بغیر بڑھوتری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماحولیاتی تنقید کا یہ پہلو اٹھارہویں صدی کی رومانوی تحریک سے مشابہہ ہونے کے باوجود جدید دور کے تقاضوں کو بھی سمیٹے ہوئے ہے اور وہ ماحول اور ماحول کو لاحق خطرات اور انسانی عمل دخل کے باعث اس کے ماحول کا اصل صورت میں موجود نہ رہنے کا علامیہ بھی جاری کرتا ہے۔ ماحولیاتی تنقید کے تمام پہلو کسی نہ کسی حوالے سے ماحول کی منظر کشی، مسائل کا شعور فراہم کرنے اور ان کا کوئی واضح حل تلاشنے کی رائے عامہ بحال کرنے میں پیش پیش ہیں۔ ماحولیاتی تانیثیت، مظاہر پسندی (Animism)، حیاتیاتی معاشرہ (Bio-community)، حیات مرکزیت (Bio-community) اور بن نگاری (Wilderness) کے بڑے پہلو آفتاب اقبال شمیم کی نظموں میں آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ماحولیاتی تنقید میں حیات مرکزیت کا موضوع فطرتِ کائنات کو سب سے اہم اور لازمی رُکن تسلیم کرنا ہے اور یہ موضوع عناصرِ فطرت کے مابین برابری کے تصور کو فروغ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اورنگزیب نیازی اس کی بنیاد ”سیکولرازم کو قرار دیتے ہیں۔“۲۔ یہی وجہ ہے کہ حیات مرکزیت کا پہلو بشر مرکزیت (Anthropocentrism) کی ضد ہے اور فطرت کے وجود کو صرف انسان کے لیے ہی

نہیں بلکہ تمام موجوداتِ فطرت، چاہے وہ یک خلوی ہوں یا کثیر خلوی، آبی مظاہر ہو یا خاکی موجودات ان کا تعلق خواہ زیر زمین سے ہو یا بالائے زمین سے، سب کے لیے اہم اور برابر تصور کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ دیگر مخلوقاتِ کائنات کو بھی ارتقا اور نشو و نما کا حق حاصل ہے۔ اور یہ کہ انسانی عمل دخل اور بے جا مداخلت نے فطرت کے اس قدرتی توازن کو بگاڑ کی طرف دھکیلا ہے۔ جس کے باعث ماحول میں ماحولیاتی آلودگی، ارضی حدّت، گرین ہاؤس ایفیکٹ، اوزون کی تہہ میں شگاف، گلیشیرز کا پگھلنا، جنگلات کا کٹاؤ اور زرعی زمینوں پر انسانی آبادی، فطرت سے بیگانگی وغیرہ جیسے اہم مسائل جنم لے چکے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم کی بیشتر نظمیں؛ "شہر کے لیے ایک دُعا"، "بارش میں آوارگی"، "ایک پہر کا فاصلہ"، "مراجعت"، "دریا درویش"، "امکان کے دوراہے پر"، "درشن گھاٹ"، "طاؤس بانہالی کے لیے ایک نظم"، "خیال تعمیر کر رہا ہوں"، "بے نام ہونے کی آرزو" ماحولیاتی تنقید کے حیات مرکزیت کے پہلو کو اُجاگر کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سعید احمد رقم طراز ہیں:

> "ان کی نظمیں جہاں ایک بڑے خواب کے لیے سمت نما کی حیثیت رکھتی ہیں وہیں موجود منظر نامے اور گہرے عصری شعور کی جدید حسیّت کے ساتھ معنیاتی اور جمالیاتی اظہار بھی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ ترقی پسند فکر سے متاثر ہونے کے باوجود اس سے الگ راستہ بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"[۳]

ان کی نظم "ایک پہر کا فاصلہ" حیات مرکزیت کے بنیادی موضوع فطرت اہم ہے اور اس کے موجودات پر زوال انسانی عمل دخل کے بعد آنا شروع ہوا ہے کا موضوع سمیٹے ہوئے ہے۔ آج کا انسان فطرت کی تلاش میں سرگرداں ہے، وہ فطرت جو اس کی اجارہ داری اور تسلط کی خواہش کے تحت مسخ ہوتی جارہی ہے۔ اور جب کبھی عین فطرت کے مناظر اس کے سامنے سے گزرتے ہیں تو انسان اس فطرت کی خوب صورتی اور خالص پن میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اس کے اپنا آپ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ شاعر لکھتا ہے:

"میں یہاں اپنے پاتال میں ڈھونڈ رہا ہوں کہ میں ہوں
کہاں اور سب ہیں کہاں
اس بکھرنے کی تحریک میں
کونسی لالچوں
کونسے فلسفوں کی کمندوں نے پھینکا مجھے
میں کہ کھوئی ہوئی نسل کا آخری فرد ہوں"

ایک پہر کا فاصلہ (فردنژداد، نادریافتہ، ص67-۶۶)

ایک اور نظم "بے نام ہونے کی آرزو" انسان کو فطرت، اصولِ فطرت اور فطری اشیا سے انسلاک کا مشورہ دیتی ہے اور اس سے وابستہ رہنے میں انسان کی کامیابی ہے کا پہلو بیان کرتی ہے جو حیات مرکزیت کے دائرہ کار کا بنیادی نکتہ ہے۔ آفتاب اقبال شمیم کا خیال ہے کہ انسان کا فطرت اور مظاہرِ فطرت میں شدید عمل دخل اور اپنی خواہشات کے مطابق اس میں تصرف باعثِ ندامت ہے۔ شاعر ان لوگوں پر ترس کھاتے ہیں جو محض اپنے لائف سٹائل کے لیے فطرت کو نقصان پہنچا کر اپنے تعیش کا سامان کر رہے ہیں:

"یہ بستی کیسی بستی ہے!
جہاں پہ لوگ اچھے نام کی شیشم سے
دروازے، دریچے اور دہلیزیں بناتے ہیں
یہی دو چار عشروں میں
جنہیں لمحوں کی دیمک چاٹ جاتی ہے"

بے نام ہونے کا آرزو (گم سمندر، نادریافتہ، ص ۳۵۰)

اسی طرح نظم "مراجعت" انسان کو فطرت کے لیے رجحان سازی پر آمادہ کرتی ہے اور اُس کو اس کی طرف رجوع کرنے کا پرچار کرتی ہے۔ آفتاب اقبال شمیم فطرت کے رتبے کو انسان کے مرتبے سے اعلیٰ قرار دیتے ہیں۔ اور انسان کے پنپنے اور بقا کی بنیادی وجہ فطرت اور مظاہر فطرت کو قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ فطرت میں کھو جانے میں ہی انسانی بقا ہے۔ شاعر یہ پہلو نظم کے بنیادی کردار 'اجنبی' کے حوالے سے کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"چلتے ہوئے۔۔۔ کیا جانیے کیوں رُک گیا
شاید اُسے آیا نظر
ان شدتوں کی اوٹ میں اِک عکس سا
کھوئی ہوئی پہچان کا
آئی اُسے سرزمینِ سبز کی
مانوس مٹی کی مہک"

مراجعت (گم سمندر، نادریافتہ، ص۴۰۰)

اس کے ساتھ ساتھ آفتاب اقبال شمیم اپنی نظم "امکان کے دوراہے پر" میں فطرت اصل میں فطرت ہے کا خیال پیش کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال مشہور عربی مقالے الحدید بالحدید یفلح سے ماخوذ ہے۔ وہ چوب کی اصلیت چوب اور آب کی اصلیت آب کے مصداق فطرت اصل میں فطرت ہے کا اصول سمجھاتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ فطرت صرف اس صورت میں اپنی موجودات کے لیے باعثِ بقا ہو سکتی ہے جب یہ انسانی تصرف سے ماورا ہو گی۔ نظم کا ایک دوسرا پہلو حیات مرکزیت کا وہ بنیادی تصور بھی ہے جس کے مطابق ماحول کی تمام موجودات کی اپنی اپنی حیثیت تسلیم شدہ ہے۔ ہر مظہر قدرت اپنی جگہ اہم ہے:

"اور یہ لحظہ بہ لحظہ بدلتی زمیں
کس قدر سخت ہے
نوکِ ناخن سے کیسے کریدوں اسے
اور دیکھوں کہ میرے بنانے کی ترکیب میں

کس سفیدی میں کتنی سیاہی ملائی گئی
چوب کی اصلیت چوب ہے"
امکان کے دوراہے پر (گم سمندر، مشمولہ، نادریافتہ، ص۴۶۱)

اسی طرح ماحولیاتی تنقید کا ایک بڑا موضوع حیاتیاتی معاشرہ (Bio-Community) بھی ہمیں آفتاب اقبال شمیم کے ہاں بکھرا پڑا دکھائی دیتا ہے۔ حیاتیاتی معاشرہ کی اصطلاح تمام جانداروں کے لیے مستعمل ہے۔ یہ نباتات، حیوانات اور بشریات، کے ایک دوسرے پر انحصار کا پہلو واضح کرتی ہے۔ ماحولیاتی معاشرہ کی اصطلاح ماحول اور موجوداتِ ماحول کے مابین ایک توازن کے قیام پر زور دیتا ہے اور بتاتی ہے کہ تمام مظاہر فطرت اپنی بقا، پرورش، ترقی اور توانائی کے حصول کی غرض سے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ یہ انحصار اور توازن انسان کا فطرت میں عمل دخل اور اجارہ داری کی سوچ سے بگاڑ کی طرف گامزن ہوا ہے۔ حیاتیاتی معاشرہ کا تصور کہ ایک خاص جغرافیائی خطے میں موجود تمام زندہ اجسام ایک حیاتیاتی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ ہمیں انسائیکلوپیڈیا کی ویب سائیٹ پر ملتا ہے۔ اس کے مطابق:

> "All the population, living and interacting with in particular geographical area make up & bio logical community." ۴

حیاتیاتی معاشرہ کا تصور تمام ذی روح اجسام کے ہاں چند مشترک خصوصیات کا حامل ہے۔ ذی روح اجسام چاہے یک خلوی ہیں یا کثیر خلوی، آبی ہیں صحرائی، مرطوب، متعدل، جنگلی، برفیلے، گرم، حتیٰ کہ کسی بھی منطقے میں حیاتیاتی معاشرہ کے تصور سے پروان چڑھ رہے ہیں، تین مشترک خصوصیات کی حامل رہتی ہیں۔ ۱) تولید۔ ۲) بڑھوتری۔ ۳) توانائی کا حصّول، کسی بھی منطقے میں قیام پذیر زندہ اجسام ان تینوں مشترک خصوصیات کے تحت ہی پروان چڑھتی ہیں اور اپنی بقا کے لیے توانائی کا حصول ممکن بناتی ہیں۔ اس سلسلے میں وہ دیگر موجودات سے استفادہ کرتی ہیں۔ اس کی مثال کچھ اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایک گھنا اور چھتنار بھرا درخت پرندوں کے لیے بھی قیام کا باعث بنتا ہے اور اس کے نیچے زیرِ زمین یک خلوی جاندار بھی مسکن نشین ہوتے ہیں۔ پرندوں کے فضلات درخت کے لیے توانائی کی فراہمی کا باعث بنتے ہیں اور انہی فضلات میں یک خلوی جاندار پرورش پاتے ہیں۔ درختوں پر اُگنے والے پھلوں سے چرند پرند یہاں تک کہ انسان بھی استفادہ کرتے ہیں۔ سورج کی روشنی میں پودوں اور درختوں کے ضیائی تالیف کے عمل سے خارج ہونے والی آکسیجن انسان اور دیگر جانداروں کے لیے باعثِ حیات ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ انسان سے نکلنے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ پودوں اور نباتات کے لیے باعثِ تقویت ہوتی ہے۔ یعنی حیاتیاتی معاشرہ کے زیر اثر کوئی بھی جاندار تنِ تنہا وجود اختیار نہیں کر سکتا۔ اُسے بہر حال دوسری موجودات کے مرہونِ منت ہونا پڑتا ہے۔ اس بات کی صراحت، زاہد بیگ مرزا اس طرح کرتے ہیں:

"کوئی بھی مخلوق چاہے وہ کتنی ہی طاقت ور اور سمجھ دار کیوں نہ ہو دیگر مخلوقات کے بغیر اکیلی نہیں رہ سکی۔ لہٰذا حیاتیاتی تنوع، حیاتیاتی نظاموں کو چلانے کے لیے اہم ہے"۔ ۵

آفتاب اقبال شمیم کی نظمیں حیاتیاتی معاشرہ کا تصور سمیٹے ہوئے ہیں۔ "ایک پرانے ورق پہ نئی تحریر"، "ہم ۲"، "وطن"، "روشنی نا روشنی"، "میں"، "شجر اور میں"، "میرا سچ"، "مگر میرا سوال یہ ہے" جیسی نظموں میں حیاتیاتی معاشرہ کے دونوں پہلو بنظر غائر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے ہاں حیاتیاتی معاشرہ کے اندرون اور بیرون دونوں تصورات کا بیان ہے۔ وہ چیزوں کو حساس دل کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ ان کی آنکھ فطرت کے بگاڑ کو بھی بہ چشمِ نم جھیلتی ہے۔ وہ جہاں فطرت کے حسن و جمال کا بیان کرتے ہیں تو کرّہ ارض کی بدقسمتی پر بھی نالاں ہیں اور ان مسائل اور تکالیف پر بھی قلم فرسائی کرتے ہیں جن کی بدولت فطرت کی خوب صورتی مسخ ہو رہی ہے۔ حیاتیاتی معاشرہ کا اول الذکر تصور ان کی نظم "ہم 2" میں دیکھا جا سکتا ہے:

"کون کس سے بڑا ہے۔۔۔ کہو!
برتری کی روایت یہاں کمتروں نے رکھی
وہ جو فطرت کی آواز سے منحرف ہو گئے
ساعدِ خاک کو بے حنا کر گئے"

ہم ۲ (گم سمندر، مشمولہ، نادریافتہ، ص۳80)

آفتاب اقبال شمیم کی ایک اور نظم "اے وطن" حیاتیاتی معاشرہ کے حوالے سے وطنی اِدراک فراہم کرتی ہیں۔ کسی بھی موجوداتِ ماحول کے لیے مسکن، اس کا علاقہ، اس کا وطن، بدن کے حصے کی طرح لازمی اور ضروری ہے۔ وطن کی زمین کو ماں کا درجہ حاصل ہے۔ وطن کا علاقہ پرورش میں ایک مشفق ماں کی طرح کا کردار ادا کرتا ہے۔ باسی اور وطن ہم لازم و ملزوم ہیں۔ شاعر لکھتے ہیں:

"اے وطن!
میں تری خاک کی سرفرازی کے اقرار میں
سر اُٹھائے رکھوں
اور میرا یہ انداز ہی ہے قصیدہ ترا
اے وطن!
گونجتا ہے میرے خواب میں نغمہء ناشنیدہ ترا"

اے وطن (گم سمندر، مشمولہ، نادریافتہ، ص۳۸۷)

نظم ”روشنی ناروشنی“ حیاتیاتی معاشرہ کے فلسفے کی مکمل اور عمدہ تفسیر فراہم کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ ماحول کی تمام موجودات کا باہمی تعامل بہر صورت بہر حال کائنات میں موجود ہے۔ کائنات کے تمام رنگ بنیادی رنگوں کے امتزاج سے وجود میں آنے کے باعث ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں، خوشبو اور پھولوں کا ایک دوسرے پر دارومدار ہے، دھوپ اور سایے میں اصلی قربت موجود ہے۔ اسی طرح خزاں اور بہار کی آمد ایک دوسرے کے جانے پر موقوف ہے۔ کائنات کی ہر شے تغیر کے اصول پر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہے۔ یہ تمام خیالات اس نظم کا خاصہ ہیں اور شاعر کو حیاتیاتی معاشرہ کا نمائندہ قرار دیتی ہوئی مثالیں ہیں۔ شاعر لکھتا ہے:

”سارے رنگ ادھورے ہیں
سب خوشبوئیں
میرے مشامِ ذوق کو ترسا یا ترسا یا رکھتی ہیں
آنکھوں کو اس ناآسودہ بستی میں
روشنیوں ناروشنیوں کی آپس میں یک جہتی ہے“

روشنی ناروشنی (گم سمندر، مشمولہ، نادریافتہ، ص۴۰۶)

حیاتیاتی معاشرہ کے تناظر میں ایک اور نظم ”شجر اور میں“ یہ نکتہ پیش کرتی ہے کہ انسان کے لیے فطرت کئی حوالوں سے فائدہ مند ہے اور انسان کی بقا کا مکمل انحصار اور دارومدار فطرت اور مظاہر فطرت پر موقوف ہے۔ جس میں سب اہم مظہر درخت ہیں جو انسان کے لیے ناصرف آکسیڈیشن کے عمل کو برقرار رکھے ہوئے ہیں بلکہ اس کے لیے خوراک کی فراہمی، سایہ کی موجودگی اور فرحت وشادمانی کا بھی ذریعہ ہیں۔ یہاں آفتاب اقبال شمیم کو یہ بھی انفرادیت حاصل ہے کہ وہ درختوں کو انسانی بچاؤ کا ذریعہ بھی خیال کرتے ہیں اور ماحول میں ان کی خاموش ایستادگی کو انسانی تحفظ قرار دیتے ہیں۔ جن کا ثبوت نظم کی ان چند سطروں سے اخذ کیا جا سکتا ہے:

”درخت اک خفیہ ہاتھ بھی ہے
نہ جانے کتنی طویل صدیوں سے منتظر تھا
مہیب ڈھلوان کے کنارے
کہ ایک فردا کے جھٹپٹے میں
یہیں پہ کوئی گزرتی گاڑی مسافروں کی
پھسل کر لڑھکے گی
اور عام سا شجر
اس کو تھام لے گا“

شجر اور میں (میں نظم لکھتا ہوں، مشمولہ، نادریافتہ، ص۵۵۴)

حیاتیاتی معاشرہ کا تصور جہاں تمام موجوداتِ ماحول کے باہمی انحصار کی بات کرتا ہے وہاں اس ضمن میں کرّہ ارض کو لاحق خطرات کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور اس کا سنجیدہ حل بھی تجویز کرتا ہے۔ بشر مرکزیت کے فلسفے کو رد کرتے ہوئے موجوداتِ فطرت کے مابین برابری کا تصور قائم کرنا ہے اور ہر شے کی برابر اہمیت جمانے پر زور دیتا ہے۔ نظم ''مگر میرا سوال یہ ہے'' میں آفتاب اقبال شمیم تیزی سے بدلتی دنیا اور تیز رفتاری میں فطرت کے تبدیل ہوتے ہوئے چہرے پر افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے ماضی پرستی کا شکار نظر آتے ہیں اور ان ایام کو یاد کرتے ہیں جب کھیت، کھلیان، فصلیں، بوائی، دھوپ سورج اور اس سے متعلقہ عناصر پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہوا کرتے تھے لیکن زمانے کے انداز بدلے گئے کے مصداق اب سب کچھ تبدیل ہوتا چلا جارہا ہے اور نافہ ءِ کھیت سے حصولِ رزق کے طریقہ کار میں واضح تبدیلی واقع ہو چکی ہے اور مشینری کے استعمالات نے فضا میں کثافتوں کا اضافہ کر کے ماحول کو سانس لینے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ شاعر کے نزدیک یہ ایک پُر تاسف، گھٹن زدہ اور قابلِ مذمت رویہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس اژدہا میں بے پناہ کے بنائے قاعدوں میں
جی رہا ہوں
کچھ پتا نہیں کہ ایسی اجنبی جگہ کے
یہ کمین کون ہیں؟''

مگر میرا سوال یہ ہے (میں نظم لکھتا ہوں، مشمولہ، نادر یافتہ، ص ۵۷۰)

اس مقالے میں ماحولیاتی تنقید کے دو بڑے پہلوؤں حیات مرکزیت اور حیاتیاتی معاشرہ کے تحت آفتاب اقبال شمیم کی چند نظموں کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آفتاب اقبال شمیم اپنے ہم عصر شعرا سے اس لیے برتر مقام کے اہل ہیں کہ ان کے ہاں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ ماحول اور اس سے متعلقہ عنوانات پر نظمیہ مواد بکثرت ملتا ہے۔ انسان کا وجود بنیادی طور پر اس کے ماحول سے جڑا ہوا ہے۔ اگر اس کا ماحول پائیدار، عیوب و نقائص سے پاک ہو گا تو یہ انسان کی بڑھوتری، پرورش، بقاء اور سلامتی کا ضامن ہو گا۔ آفتاب اقبال شمیم کے ہاں ماحول اور اس کی بقا کا پُر خلوص بیانیہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ ادب دوست ہونے کے ساتھ ساتھ ماحول دوست بھی ہیں۔ ماحولیاتی تنقید کے زیر اثر متذکرہ بالا دونوں موضوعات کے ساتھ ساتھ اس تنقید کے دیگر بنیادی موضوعات بھی ان کی نظمیہ شاعری کے بنیادی محور ہیں۔ بن نگاری ہو یا مظاہر پسندی، راعیانیت ہو یا حیاتیاتی مقامیت کا پہلو، مقاماتی ادب یا پھر بشر مرکزیت، آفتاب اقبال شمیم کا قلم اس بات کا پرچار کرتا ہوا ملتا ہے کہ ماحول، فطرت اور اس کے عناصر کو لاحق مسائل کا فہم اور سنجیدہ حل تلاشنا صرف خود انسان کے لیے بقا کا ضامن ہے بلکہ ماحول کے لیے بھی۔ مختصر یہ کہ آفتاب اقبال شمیم کا شمار ان چند نمائندہ شاعروں میں ہوتا ہے جن کی شاعری کا مقصد و محور ماحول اور ماحولیات بھی ہے۔ اس حوالے کے آفتاب اقبال شمیم کی شاعری عمومی طور پر تا حال ناقدین کی نظروں سے اوجھل ہے۔ ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ ماحولیاتی تنقید کے دیگر پہلوؤں کے حوالے سے بھی ان کی نظموں کو منظر عام پر لایا جائے جو ماحولیاتی تنقید کے ضمن میں اُردو نظم کے حوالے سے ایک بہترین ادبی کاوش ثابت ہو گی۔

حوالہ جات

۱۔ آفتاب اقبال شمیم، لامحدود آزادی آدمی کے نصیب میں نہیں ہے، مشمولہ انٹرویو، روزنامہ ایکسپریس، راولپنڈی، ۲۰ مارچ، ۲۰۱۶ء

۲۔ اورنگزیب نیازی، ڈاکٹر، مضمون نگار، ادب کی ماحولیاتی شعریات اور اُردو افسانہ، مشمولہ تاریخ ادب اُردو، سہ ماہی، بین الاقوامی پیپر ریویو، ریفریڈ جنرل، دہلی، بھارت، جلد ۳، شمارہ ۲، ص ۸

۳۔ سعید احمد، ڈاکٹر، نادر یافتہ فرد انژدا، مشمولہ، ابتدائیہ، نادر یافتہ (کلیات)، طبع اوّل، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۶

۴۔ www.encyclopedia.com/bio-community، ۱۲ اپریل ۲۰۲۱ء، 5:20pm

۵۔ زاہد بیگ، پاکستان کے حیاتیاتی منطقے اور نظام-۱، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، اشاعت اوّل، ۲۰۱۸ء، ص ۶